امیر خسرو کی تاریخی بصیرت

ڈاکٹر ارشاد نیازی

شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی۔110007

امیر خسرو جگت گرو، عظیم شاعر، موسیقی کے نائک، تلوار کے دھنی، قلم کے بادشاہ، سیاسی مدبّر، باخبر درباری، صوفی اور موّرخ تھے۔ ''خدا نے خسرو کے تمام اعضا کو علم و دانش سے خمیر کیا تھا۔'' ایسے عجیب و غریب انسان صدیوں میں نہیں ہزاروں سال میں پیدا ہوتے ہیں۔ لاکھوں صفات اور کروڑوں اوصاف کے مالک خسرو کا اصل میدان شاعری تھا۔ شاعری ان کے خون میں رچی بسی تھی۔ اسی فطری ذوق کے توسط سے وہ درباروں تک پہنچے اور ملازمت پیشہ درباری بن گئے۔ اس منصب کے لیے وہ نہایت موزوں اور مناسب بھی تھے کیونکہ ''وہ ہر ماحول اور ہر مجلس کے مطابق اپنے کو ڈھال لیتے تھے...... دلکش و دلچسپ گفتگو کرنی جانتے تھے۔ طبّاع اور ذہین تھے، ساتھ ہی وہ ایک محتاط انسان بھی تھے۔''[1]

امیروں کی مصاحبت، شہزادوں کی مجالست اور سلطانوں کی ''مصحف داری اور ندیمی'' کے باعث شعری پختگی اور فنّی شہرت کے ساتھ ساتھ تاریخی نگارشات کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ تاحیات قائم رہا، لیکن اس وابستگی سے کچھ بدنامی اور بہت کچھ خوشامدی ہونے کا الزام بھی سر آیا۔ بقول پروفیسر حبیب:

> ''تقریباً نصف صدی میں کتنے ہی طوفان ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزر گئے، لیکن وہ برابر سلاطین کی قصیدہ خوانی کرتے رہے۔ ان کا طریقہ تھا جیسے ہی طوفان گذر گیا۔ انہوں نے اسے فراموش کر دیا۔ مطلعِ اقتدار پر نیا سورج چمکا اور وہ اپنے ساز و سامان کے ساتھ سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔''[2]

کہنا چاہیے کہ ہوا کے رُخ کے ساتھ چلنا ہی ان کی زندگی کا اصول تھا، لیکن اس سے ایک فائدہ ضرور ہوا کہ حکمرانوں کو قریب سے دیکھنے، ان کے عروج و زوال کو جاننے، سماجی اور تہذیبی تحریکات و انقلابات کو سمجھنے، تاریخی و توقیتی معاملات و مسائل کو پرکھنے اور تجزیے کا موقع ملا۔ جس سے ''ان کی حسّاس طبیعت، باریک بیں نگاہ اور دور رس ادراک نے بالآخر ایک مدح سرا اور قصیدہ گو شاعر کو وہ تاریخی شعور بخشا جو ان کی تاریخی تحریروں میں جھلکتا ہے۔ قران السعدین، خزائن الفتوح، مفتاح الفتوح، دِولرانی خضر خاں، نُہہ سپہر اور تغلق نامہ اگر ان کی درباداری کی کہانی سناتی ہیں تو ان کے تاریخی شعور کی امین بھی ہیں۔''[3]

امیر خسرو کا سب سے پہلا مربّی علاء الدین محمد کشل یا کشلو خاں تھا جس کو عام طور سے مَلک چھجو کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی تعریف میں امیر خسرو نے کئی قصیدے بھی لکھے ہیں:

صبح را گفتم کہ خورشید کجا است
آسماں روئے مَلک چھجو نمود!

خسرو دو سال تک اس کے دربار سے وابستہ رہے اور ایسے ایسے قصیدے اس کی شان میں کہے جو کسی اور کی مدح میں نہیں کہہ سکے۔ واقعی وہ سخاوت میں حاتم سے بھی بازی لے گیا تھا۔ اس کے بعد بغرا خاں، شہزادہ محمد اور حاتم خاں ہوئے، لیکن یہ سب معمولی سردار، امیر، شہزادے اور گورنر تھے جو خسرو کے قصیدوں اور مدح سرائی کے شایانِ شان نہیں تھے۔ ان سے جو کچھ ملتا تھا، خسرو اس سے زیادہ معاوضہ اور عہدہ چاہتے تھے اور یہ موقع انہیں آخر میّسر آ ہی گیا۔

بلبن کے بعد اس کا پوتا ۱۸ سالہ نوجوان معزالدین کیقباد جب تخت نشین ہوا تو اس نے خسرو کو بلا بھیجا۔ خسرو کو ابھی حاتم خاں کی سرکار یعنی اودھ سے دہلی آئے دو ہی دن ہوئے تھے فوراً دربار میں حاضر ہوئے، زمین کو بوسہ دیا۔ سلطان کی شان میں قصیدہ پڑھا:

منّت ایزد را کہ شہ بر تختِ سلطانی نشست
در دماغِ سلطنت بادِ سلیمانی نشست
شہ معزالدین والدنیا کہ از دیوانِ غیب
نام او بر نامۂ دولت بعنوانی نشست

دو تھیلی اشرفیوں کی اور ایک پٹکا پایا، ملک الشعرا کا خطاب ملا اور خسرو کو خصوصی درباریوں میں شامل کر لیا گیا۔ خسرو کی بھی دلی تمنّا پوری ہوئی۔

نوجوان معزالدین کیقباد فطرتاً رنگین مزاج اور شوقین واقع ہوا تھا۔ ''نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کا تاج سر پر رکھتے ہی اس نے رنگ رلیاں منانا شروع کردیں...... دربار راجہ اندر کا اکھاڑہ بن گیا...... ہر دیوار کے سائے میں ایک پری نظر آنے لگی اور ہر بالا خانے پر ایک حور جلوہ نما ہوگئی۔ ہر گلی سے ایک گویّا اور سازندہ ظاہر ہوگیا اور ہر محلّے سے کسی نہ کسی بھانڈ یا گویّے نے سر اٹھایا۔'' یعنی عیش و عشرت میں پڑ کر کیقباد امور سلطنت سے غافل ہوگیا تھا۔ یہی نہیں امور سلطنت کیقباد نے ملک الامرا کوتوال کے داماد ملک نظام الدین کے سپرد کردیے تھے...... اس میں شک نہیں کہ ملک نظام الدین مدبّر و منتظم سردار تھا، مگر خود غرض اور بد باطن تھا۔ بادشاہ کی غفلت شعاری نے اس کے دل میں یہ طمع خام پیدا کردی کہ اس بدمست نوجوان کا کام تمام کرکے تاج و تخت کا مالک خود بن جائے...... اس نے ایک سازش کرکے پہلے خسرو کو قتل کرادیا اور بلبنی سردار جو مناصبِ اعلیٰ پر ممتاز تھے ان میں سے بعض کو قتل اور بعض کو ذلیل و خوار کیا اور مقیّد کرکے دور دور کے قلعوں میں بھیج دیا۔''[۵] جس سے سلطنت میں بدامنی اور انتشار پھیل گیا، ساتھ ہی سازشیں اور ریشہ دوانیاں شہر اور سلطنت کا مقدر بن گئیں۔ اس کے باپ سلطان ناصر الدین بغرا خاں کو اپنے فرزند اور سلطنت کی حالت پر افسوس ہوا۔ اس نے کیقباد کو خطوط لکھے، اشارات و کنایات میں غفلت سے بیدار کرنا چاہا، لیکن کوئی اثر نہیں ہوا۔ بغرا خاں جس نے بنگال کی حکمرانی پر اکتفا کرلیا تھا ان حالات سے خوش نہیں تھا۔ چنانچہ وہ کیقباد سے ملاقات کرنے اور راہِ راست پر لانے، سلطنت کو متوقع خطرات سے بچانے یا اپنی بادشاہت قائم کرنے کے لیے بنگال سے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ چلا۔ کیقباد بھی اپنی فوج کے ساتھ دہلی سے روانہ ہوا۔ دونوں کی ملاقات ''دریائے سرجو'' کے کنارے پر ہوئی، مگر پہلے کی خط و کتابت کی بنیاد اور بعض وفادار امرا بالخصوص امیر علی سرجاندار کی کوششوں سے ایک خونی جنگ کا خطرہ ٹل گیا اور آپس میں صلح صفائی ہوگئی اور باپ بیٹے مل گئے۔ ''دونوں دریا تشنہ لب ایک دوسرے سے ملے اور ان کی تشنگی کو آنسوؤں کا وہ سیلاب بھی فرو نہ کرسکا جو دونوں کی آنکھ سے رواں تھا۔'' چند دن ندی کے کنارے قیام کرنے کے بعد کچھ نصیحتیں اور سمجھا بجھا کر بغرا خاں لکھنوتی واپس چلا گیا۔ باپ کی نصیحتوں کا دہلی پہنچنے سے پہلے تک کیقباد پر کچھ اثر رہا، لیکن دہلی پہنچتے پہنچتے وہ غافل ہوگیا۔ وہی ندیم، وہی مصاحب اور وہی پرانی صحبتیں آباد ہوگئیں۔

عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بیٹے کی بربادی اور سلطنت کی تباہی باپ سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اس لیے ملاقات کے بہانے، بیٹے کو سمجھانے اور نصیحت کرنے بغرا خاں سرجوندی کے کنارے آیا تھا، لیکن امیر خسرو کا تاریخی شعور اور انسانی سائیکی کا نبض شناس ذہن اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ خسرو کے مطابق:

> ''سلطان ناصر الدین بغرا شاہ جو کہ حقیقتاً دہلی سلطنت کا وارث تھا اور لکھنوتی میں بادشاہ بن چکا تھا، تختِ دہلی پر قبضہ کرنے کے ارادے سے آگے بڑھا اور اودھ پر قابض ہوگیا۔ سلطانِ دہلی کو مہرِ پدری سے زیادہ تختِ حکومت عزیز تھا۔ چنانچہ اس نے فوج بھیجنے کا حکم دیا۔ وہ خود عیش کدۂ سلطانی کو چھوڑ کر، ہلاکت کدۂ جنگ میں جانا نہیں چاہتا تھا، مگر ارکانِ دولت نے اس کو ساتھ جانے پر اپنے دلائل سے راضی کرلیا۔''[۶]

اسباب چاہے جو بھی ہوں یہ ایک تاریخی واقعہ تھا۔ اس تاریخی واقعہ کی اہمیت کا احساس کیقباد کو بھی تھا۔ اس لیے اس نے خسرو کو اپنی اور اپنے باپ بغرا خاں کی ملاقات کا حال لکھنے کا حکم دیا۔ اس ملاقات کے دوران بادشاہ سے خسرو کی جو گفتگو ہوئی اسے ''قران السعدین'' میں اس طرح بیان کیا ہے۔

> ''اے ساحر! ہم تم سے یہ چاہتے ہیں کہ وقت کی پروا نہ کرتے ہوئے تم میری خاطر شاعری کے مردہ جسم میں ایک نئی جان ڈال دو، اس طرح کہ تم دونوں سلطانوں کی ملاقات کا حال نظم کرو۔''[۷]

امیر خسرو نے چھ ماہ کی محنت کے بعد رمضان ۶۸۸ھ (۱۷/ اکتوبر ۱۲۸۹ء) میں اسے مکمل کرکے سلطان کے سامنے پیش کردیا۔ اس مثنوی کا نام قران السعدین رکھا جو ان کی پہلی مثنوی ہے۔ قران السعدین کے معنیٰ دو بہترین ستاروں کا ملاپ ہے۔ ''قران السعدین'' میں جو کچھ انھوں نے لکھا، وہ سنی سنائی باتوں پر مبنی نہیں ہے بلکہ آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے۔

''قران السعدین'' کی اہمیت یہ نہیں ہے کہ سلطان نے اسے لکھنے کا حکم دیا یا دو تھیلی اشرفیوں کی دی اور پٹکا سے نوازا یا خصوصی درباریوں میں شامل کرلیا گیا یا خسرو نے دربار میں پہنچ کر بوسہ دیا اور قصیدہ پڑھا اور جو چاہتے تھے وہ مل گیا بلکہ اہمیت قران السعدین کے درون میں موجود حقائق اور تفصیلات کی ہے۔ ان ہی تفاصیل میں سیاسی تاریخ بھی ہے، سماجی سروکار بھی، تہذیبی و ثقافتی صورت حال بھی اور بادشاہوں کی نفسیات بھی۔ یہاں عوام بھی ہیں، شہر بھی، دہلی بھی ہے اور کیلوکھڑی بھی۔ صنعت و

حرفت بھی، بازار بھی مصنوعات بھی۔ کاری گری و ہنرمندی بھی منگولوں کے عادات و اطوار بھی ہیں اور ہندوستان پر حملہ کرنے کے اسباب بھی۔ دربار کی شان و شوکت، رقص و سرود کی محفل، مجلسوں کی بے تکلفی، محفلوں کا شور، فوجیوں کی ہلچل، کیمپوں کے احوال، فوجوں کا خوف، ناوؤں کی چہل پہل اور خوش گپیوں کے ساتھ روشنیوں کی چمک دمک بھی ہے۔ امیر خسرو اس معرکے میں خود بھی شریک تھے اس لیے ان کے اسلوب کی چاشنی اور بیان کی قوت نے اس واقعہ کو دلچسپ، رومان انگیز اور زندۂ جاوید کر دیا ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ باتیں شاعرانہ مبالغہ آرائی سے مبرّا نہیں ہیں، لیکن واقعات کو صحت کے ساتھ بیان کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ ایسے میں یہ تمام تر باتیں مستند تسلیم کی جائیں گی۔

خزائن الفتوح سالِ تصنیف ۷۱۱ھ اس کا دوسرا نام تاریخِ علائی بھی ہے۔ یہ نثری کارنامہ علاء الدین خلجی کے عہد کی تاریخ ہے، جس میں جنگی واقعات، سیاسی معاملات و مسائل اور فتوحات کا ذکر ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ علاء الدین خلجی نہایت سخت گیر، تندخو، جابر، درشت مزاج، دنیا دار اور جہاندیدہ بادشاہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کی شخصیت کو سنگین اور کھردرا بنانے میں اس کی بیوی اور ساس کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ لیکن ''دہلی کے تخت پر بیٹھنے والے بہت تھوڑے بادشاہ ہوں گے جو اس کی طرح اولوالعزم، صاحبِ تدبیر، صائب رائے اور محنتی ہوں گے۔ یہ سچ ہے کہ منگولوں کا قتلِ عام کیا۔ مغلوں کا نام و نشان مٹایا، ہلاکوں خاں کا سچا جانشین، باغیوں اور نافرمانوں کے لیے قہرِ عظیم تھا، لیکن امن پسند شہریوں اور عام رعایا کے لیے اس کا وجود ایک ''رحمتِ الٰہی''۔ بادشاہت اور فرائض شاہانہ کے متعلق اس کا مطمحِ نظر واضح اور بلند تھا۔ بنیادی بات یہ ہے کہ رعیت پرور تھا، لیکن قاضیوں، عالموں، محدّثین، مؤرّخین، منجّمین، خطاطوں، شاعروں اور فنکاروں کو منہ نہیں لگاتا تھا، انہیں غیر ضروری جانتا تھا۔ اس کے باوجود عہدِ علائی میں خوش حالی اور امن و امان کی وجہ سے ہر قسم کے ماہرفن دارالخلافہ میں جمع ہو گئے تھے۔ مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، لیکن لامذہب بھی نہیں تھا، مگر عوام کی عقیدت و محبت اس قدر اس سے تھی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر پر لوگ منّت کے دھاگے باندھنے لگے۔ نظام الدین الولیا کا تھوڑا پاس و خیال تھا۔ یعنی دور کا سلام تھا۔ اس کی طبیعت کا اسلوب مادّی اور دنیاوی تھا۔ اپنے دربار سے شعر خوانی اور رقص و سرود کا سلسلہ اٹھا دیا، جس کا سلسلہ جلال الدین خلجی سے شروع ہوا تھا۔''[۸]

اس کے باوجود خسرو اس کے دربار میں رسائی حاصل کرتے ہیں۔

یہاں مبالغہ نہیں حقیقت بیان کرتے ہیں اور علاء الدین خلجی کو واقعی تعریف کا مستحق جانتے ہیں۔ ''خزائن الفتوح'' کی وجہ تصنیف دیباچے میں بیان کرتے ہیں۔ سب سے پہلے اپنی ہمہ دانی، ہمہ گیری اور قلم کی قدرت کو تعلّی کے ساتھ بیان کرتے ہیں، لیکن یہ بھی کہتے ہیں علاء الدین کے اوصاف حمیدہ کو بیان کرنا ہماری قدرت سے باہر ہے۔

☆ اس عہد کی عظمت و شان کو بیان کر رہا ہوں جو بڑے بڑے شاعروں کو نصیب نہیں ہوئے۔

☆ میں ہمیشہ شاعری کی طرف مائل رہا پہلی دفعہ بادشاہ کی نظرِ عنایت اور حوصلے سے نثر میں طبع آزمائی کر رہا ہوں۔

اس لیے کہ بڑے آدمیوں کی آنکھ برائی کی طرف نہیں جاتی۔ ویسے بھی سلطان لطف و کرم کا دریا ہے قبول کرے گا اور آخر میں یہ کہ اگر مجھے عمر جاوداں مل سکتی تو اس کا بہترین مصرف یہی ہوتا کہ اسے بادشاہ کی مدح و ثنا میں گزار دیتا۔

خزائن الفتوح میں خسرو نے سلطان علاء الدین خلجی کی ابتدائی ۱۵ سالہ زندگی کے سلسلہ وار حالات بیان کیے ہیں، چونکہ اصلاً اس کتاب کا مرکزی موضوع خلجی کے فتوحات ہیں۔ اس لیے خسرو اس کی ابتدا علاء الدین خلجی کی اوّلین مہم دیوگیر سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد دہلی پر حملہ اور تخت نشینی، امن و امان اور خوش حالی کی کوشش اور تدابیر، علاء الدین کی تعمیر کردہ عمارتیں، مغلوں کے خلاف جنگ میں کامیابی، گجرات اور رنتھمبور کی فتح، مالوے کی تسخیر، چتوڑ کی مہم، کافور کی سرکردگی میں دیوگیر کی مہم، سیوانہ کی تسخیر، تلنگانہ کی فتح، فتح مند فوجوں کی دہلی واپسی اور دعا۔ ایک کامیاب مؤرّخ کے لیے اتنا ہی کافی تھا، لیکن خسرو کا قلم کہاں رکتا ہے۔ وہ تو واقعات کے ایک ایک پہلو کو قاری کے سامنے لانا چاہتے ہیں۔ اس لیے وہ حملے سے قبل کی تیاری اور منصوبہ، جنگوں کے مناظر، فتح کے بعد ملی دولت کی تقسیم، جنگوں میں جن سپاہیوں، سرداروں اور سپہ سالاروں نے بہادری دکھلائی اس کی تعریف۔ ان باتوں کو پڑھتے ہوئے قاری، خسرو کی باریک بینی اور منظر کشی میں کھو جاتا ہے اور یہ محسوس کرتا ہے کہ میدان کارزار میں وہ بہ نفسِ نفیس شامل ہے یا کسی بلند جگہ پر کھڑا ہو کر کھلی آنکھوں سے یہ سب کچھ ہوتا ہوا دیکھ رہا ہے۔ اس ''دلیرانہ مہم میں کل تین ماہ دس دن لگے۔''[۹]

خزائن الفتوح میں بعض انتظامی اور تہذیبی کارنامے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں علاء الدین خلجی کی تقسیمِ دولت کی پالیسی، اصلاحِ اوزان اور نظامِ عدل، شراب خوری اور زنا کاری کی روک تھام......غلہ اور

دوسری اشیائے ضرورت کی ارزانی کا منصوبہ، کفایت شعاری کو روزمرہ کا حصہ بنایا۔ اخلاق کی درستی، مذہبی عقائد کی استواری اور معاشرتی اصلاح کو حرزِ جاں جانا، اس لیے کہ سلطنت کے نظم میں یہ مفید اور کارگر آلۂ کار ہیں۔ اسماعیلیہ فرقہ کا قلع قمع کیا، ناجائز نفع کمانے والوں کے لیے سخت سزائیں مقرر کیں۔ شہر دہلی کی توسیع، عمارتوں کی اصلاح وتجدید۔ جیسے مسجد جامع حضرت اور مینار کے علاوہ شہر کے عظیم قلعے اور فصیلِ ثانی اور دوسرے قلعوں، عمارتوں، حوضوں وغیرہ کی تعمیر شامل ہیں۔[۱۰] ساتھ ہی ''دیوگیر کے حکمراں راجہ رام دیو کی گرفتاری، سلطان کا از راہ کرم وحکمتِ عملی کے تحت اس کو رہا کرنے، چھ ماہ تک شاہی مہمان بنا کر اور سلطنت واپس کر کے دیوگیر بصد عزت واحترام کے ساتھ بھیجنے کا ذکر خسرو نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔[۱۱]

ان فتوحات اور مہم میں خسرو لشکرِ سلطانی کے ہمرکاب تھے۔ اس لیے عینی شاہد کی حیثیت سے جنگی معاملات، فتوحات اور امور سے متعلق تفصیلات کو خسرو نے نہ صرف تفصیل بلکہ صحت اور تحقیق سے لکھا ہے۔ اس لیے بعض باتیں ایسی ہیں جو اسی کتاب میں درج ہیں، جنھیں بعد میں دوسرے مورّخین نے نہ صرف لکھا بلکہ سند کے طور پر بھی پیش کیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہی ایک ایسی تاریخی تصنیف ہے جو عہد علاء الدین خلجی میں لکھی گئی۔ ایسے میں یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ معاصر تاریخ نویسوں کی تاریخی کتابوں میں یہی سب سے مستند اور کارآمد کتاب ہے، جس کی غیر موجودگی میں عہد وسطیٰ کے تاریخی، سیاسی، سماجی اور مذہبی حالات و واقعات کا مطالعہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس سے جہاں ایک طرف اس تاریخی کتاب کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، وہیں دوسری طرف خسرو کی مورّخانہ حیثیت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس اعتراف کے باوجود کہ ''خزائن الفتوح'' تاریخی مواد کا ایک انمول خزانہ ہے۔'' ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ کتاب سلطان کی نگرانی میں لکھی گئی جس کی حیثیت سرکاری دستاویز کی ہے، دوسرے خسرو کا مزاج، درباداری کے تقاضے، شاعرانہ آہنگ اور ان سب پر ہندی کا ایک لفظ استعمال کرنے کی اجازت چاہتا ہوں، 'اتی شیوکتی' سے بھرا اسلوب۔ اس لیے اس میں بھی وہی نقائص ہیں جو ایک سرکاری دستاویز میں ہوتے ہیں۔

مبالغہ خسرو کے اسلوب کا اسلوب، انداز اور روزمرہ ہی بن گیا ہے۔ چند ایک مثالیں دیکھیں۔

☆ چاروں طرف پہاڑیاں تھیں، راستہ ستار کے تار سے بھی باریک تھا۔

☆ قلعہ پتھر کا بنا ہوا تھا۔ پتھر اس فنکارانہ طور سے جمائے گئے تھے کہ ان کے بیچ سوئی تک نہیں جا سکتی تھی۔

☆ اس نے یہ خبر بھجوائی کہ میرے پاس اتنا سونا ہے کہ جس سے ہندوستان کے سبھی پہاڑ ڈھکے جا سکتے ہیں۔

☆ شمسی حوض سورج کی طرح قیامت تک چمکتا رہے گا۔

☆ آدھا قلعہ آسمان میں دھول کی طرح اڑ گیا، باقی آدھا قلعہ زمین میں حفاظت کے لیے گر پڑا۔

☆ قرآن کی آیتیں پتھروں پر کھدوائیں۔ ایک طرح آیتیں اتنی اوپر چڑھ گئیں جیسے خدا کا نام آسمان کی طرف جا رہا ہو، دوسری طرف آیتیں نیچے کی طرف آ گئی تھیں کہ جیسے قرآن زمین پر آ رہا ہو۔''

اسی طرح علاء الدین خلجی کے فتوحات اور اسلامی فوج کی بہادری اور جاں نثاری کو جس طرح سے بیان کیا ہے وہ مورّخوں کے لیے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن انھوں نے اُن واقعات کو بیان نہیں کیا، جس سے سلطان کی شخصی کمزوریاں نمایاں ہوتی ہیں۔

اصل میں خسرو کی سیاسی وفاداری منطقی طور پر سلطنت کے ساتھ تھی جسے بجا طور پر ''مذہبی جنون'' سے عبارت کیا گیا ہے۔'' یہ حکمرانی کی سطح ہے۔ اس مقام پر ان کی شخصیت ہندوستان میں مسلمانوں کی حکمرانی، استحکام اور فتوحات کی خواہاں ہے۔ یہاں پر خسرو اسلام کی سربلندی اور برتری کے لیے کوشاں ملتے ہیں۔ یہ خسرو کے سیاسی اسلام کی ایک سطح ہے۔[۱۲]

دربار سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اسلامی فوج کی شجاعت بیان کرتے وقت، خسرو دشمن یا مقابل فوج کی بزدلی کا بکھان جو کرتے ہیں، وہ بیشتر صورتوں میں غیر حقیقی، غیر اخلاقی اور غیر تاریخی معلوم ہوتا ہے۔ ''ان کے قلم سے کبھی کبھی ایسے فقرے نکل جاتے ہیں جن سے غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ وہ اسلام کا ذکر بڑے فخر سے کرتے ہیں اور دوسرے مذہبوں پر اس کی برتری کے قائل ہیں۔ کبھی کبھی ایسے لفظ بھی استعمال کرتے ہیں جو رواداری کی نزاکتوں کو ٹھیس لگاتے ہیں۔''[۱۳] البتہ رنتھمبور اور چتوڑ پر جو حملے ہوئے ان کو بیان کرتے وقت صاف گوئی سے اعتراف کرتے ہیں کہ اسلامی فوج کے مخالف بھی بہادر تھے اور ڈٹ کر جوابی حملہ کرتے تھے۔ تاریخی نقطۂ نظر سے حملوں کے واقعات صحیح ہیں، مگر ان میں جو رنگین بیانی کے ساتھ پیکروں، استعاروں اور تشبیہوں کی بہتات ہے اوپر سے عربی، فارسی کے متروک اور غیر مانوس الفاظ کی کثرت، جس کی وجہ سے اس کے اساسی جذبے یا خیال کو سمجھنا آسان نہیں رہا ہے۔ اصل

میں خسرو کی زبان ہی شاعری میں گوندھی ہوئی زبان تھی، لیکن تاریخ کے حوالے میں اسے غیر فطری اور مصنوعی ہی سمجھا جائے گا۔

مصادر

۱۔ امیر خسرو، مرتب، شیخ سلیم (مضمون پروفیسر محمد حبیب) ص:۲۸۵، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۔۲۰۰۶

۲۔ امیر خسرو، مرتب، شیخ سلیم (مضمون، پروفیسر محمد حبیب) ص: ۸۶۔۲۸۵، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۔۲۰۰۶

۳۔ امیر خسرو، مرتب شیخ سلیم (مضمون ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی) ص: ۳۰۸، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۔۲۰۰۶

۴۔ امیر خسرو، ڈاکٹر وحید مرزا، ص ۰۷، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۔۲۰۰۶

۵۔ امیر خسرو احوال و آثار، مرتب نورالحسن انصاری، ص ۱۷۸، مکتبہ شاہراہ، دہلی ۔1975

۶۔ امیر خسرو، مرتب، شیخ سلیم (مضمون یٰسین مظہر صدیقی) ص: ۳۰۹، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۔۲۰۰۶

۷۔ امیر خسرو، ڈاکٹر وحید مرزا، ص: ۷۸۔

۸۔ آب کوثر، شیخ محمد اکرام ص: ۵۱۔۱۴۹۔ادبی دنیا، مٹیا محل، دہلی ۱۹۶۴

۹۔ امیر خسرو، مرتب، شیخ سلیم (مضمون یٰسین مظہر صدیقی) ص: ۲۱۴، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۔۲۰۰۶

۱۰۔ امیر خسرو، مرتب، شیخ سلیم (مضمون یٰسین مظہر صدیقی) ص: ۳۱۵، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۔۲۰۰۶

۱۱۔ امیر خسرو، مرتب، شیخ سلیم (مضمون یٰسین مظہر صدیقی) ص: ۳۱۷، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۔۲۰۰۶

۱۲۔ تاریخ ادب اردو، تبسم کاشمیری ص: ۳۴، ایم، آر پبلیکیشنز، دہلی ۔۲۰۰۲ء

۱۳۔ امیر خسرو اور ہندوستان، ڈاکٹر تاراچند، ص ۱۱، امیر خسرو اکیڈمی، دہلی: ۱۹۶۲

○○

قلمکاروں سے گزارش

ہمیں آپ کی گراں قدر نگارشات کا بہت بڑا ذخیرہ بذریعہ ڈاک وای۔میل موصول ہوتا ہے جس میں زیادہ تر مضامین، شاعری اور افسانے رکہانیاں ہوتی ہیں، وقت کی کمی کے باعث سب کا جواب دینا یا نگارشات واپس کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس کو آپ ہماری بے رخی پر محمول نہ کریں بلکہ ہماری مجبوری سمجھیں۔ اگر تین ماہ کے اندر آپ کی تخلیق شائع نہ ہو یا اشاعت کے بارے میں اطلاع نہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ ادارہ اس کی اشاعت سے قاصر ہے۔ **(ادارہ)**

قابل توجہ

''ایوانِ اردو'' اور ''بچوں کا ماہنامہ امنگ'' میں مضامین اور دیگر نگارشات بھیجنے والے قلمکار حضرات سے گزارش ہے کہ مضامین یا دیگر نگارشات برائے اشاعت ارسال فرماتے وقت قلمی نام کے ساتھ ساتھ بینک میں درج نام انگریزی میں ضرور لکھیں۔ قلمی نام سے چیک بن گیا تو دوبارہ بینک میں درج نام سے چیک نہیں بنے گا۔ چیک بننے کے بعد دوبارہ چیک بنانا ممکن نہیں ہوتا۔ (ادارہ)